مولانا مجاہد الحسینی

دیوانے یاد آتے ہیں

لاہور کی آخری جیل کے آخری قیدیوں کی سرگزشت

حضرت مولانا مجاہد الحسینی مدظلہ ایک کہنہ مشق صحافی، متبحر عالمِ دین اور وسیع الظرف شخصیت کے مالک ہیں۔ ماضی میں وہ مجلسِ احرار اسلام کے سرگرم رہنما رہے ہیں ۔ مجلسِ احرار کے ترجمان روزنامہ آزاد اور روزنامہ نوائے پاکستان (لاہور)، ہفت روزہ سارباں لاہور اور ہفت روزہ خدام الدین لاہور کے ایڈیٹر رہے ہیں اور سہ روزہ مستقبل ملتان کے ادارۂ تحریر میں بھی شامل رہے ہیں۔ آجکل فیصل آباد سے "صوت الاسلام" کے نام سے ایک ماہنامہ شائع کر رہے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون دراصل تحریک تحفظ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء کے ایام اسیری کی سرگزشت ہے۔ اس میں تحریک کے مرکزی رہنماؤں کے حوالے سے اُن کی خوب صورت یادیں ہیں۔ جو یقیناً ہماری تاریخ کا سرمایہ ہیں ۔ مولانا کا وجود ایسی بے شمار یادوں کا دفینہ ہے اگر وہ اس موضوع پر مسلسل لکھیں تو تاریخ کے ان گنت خفیہ گوشے منظرِ عام پر آسکتے ہیں ہم مولانا کے شکر گزار ہیں کہ ہماری خواہش پر ذیل کا مضمون انہوں نے خاص طور پر نقیب کے لئے لکھا۔ (مدیر)

اللہ تعالیٰ نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو بہت سی خوبیوں اور محاسن سے نوازا تھا۔ برصغیر پاک و ہند ہی نہیں غالباً پورے کرۂ ارضی پر اردو زبان کا سرطراز خطیب اور وجد آفریں قاری قرآن ان جیسا موجود نہ تھا۔

اردو، پنجابی میں ان کے خطاب کے جادو سے وہی صحیح طور پر واقف ہیں جنھوں نے سخت گرم اور ٹھٹھری سرد راتوں میں اذانِ فجر تک سراپا گوش بر آواز ان کی خطابت کی معرکہ آرائی کا مشاہدہ کیا ہے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے بیان و خطاب کی سحر آفرینی اور اثر خیزی کیا تھی در حقیقت افصح العرب والعجم ﷺ کی آلِ سادات کے خونی اثر کی جلوہ نمائی تھی، آپ کی شخصیت سید وُلد آدم علیہ الصلواۃ والسلام کے ارشاد

"وان من البیانِ لسحراً"

کا پورا مصداق اور آئینہ دار تھی۔

آپ کی خطابت تو اکثر موضوع سخن رہتی ہے لیکن امیر شریعت کی کتاب حیات کے بعض اوراق ایسے بھی ہیں جو ابھی تک لوگوں کے مطالعے میں نہیں آئے ہیں۔ آج اسی کی ورق گردانی ہے۔ اور وہ یہ کہ جن دنوں ۱۹۵۳ء کی تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت پورے شباب پر تھی، سارا ملک مسلم لیگی حکومت کی قادیانیت نوازی کے خلاف سراپا احتجاج بن چکا تھا، ہڑتالوں اور احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ دراز اور ملک گیر ہو رہا تھا۔ تمام دینی سیاسی جماعتیں شانہ بشانہ اور ہمقدم تھیں، دوسری طرف پنجاب مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ کی طرف سے مطالبات کی تائید میں قرار داد منظور کر لینے کے باوجود اسکی حکومت انگریز کے خود کاشتہ پودے کی حفاظت

پر کمر بستہ تھی۔ اس تحریک کی ہمہ گیری کا یہ عالم تھا کہ ٹیلیگراف، ٹیلیفون، ریلوے کے محکموں اور سول سکرٹیریٹ لاہور میں پہلی مرتبہ ہڑتال ہوئی تھی۔

تحریک تحفظ ختم نبوت کے مطالبات واضح تھے، علامہ اقبال کی تحریک اور تجویز کے مطابق قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ناموس رسالت ﷺ کا تحفظ، اور حکومت پاکستان کی وزارت خارجہ کا فرض منصبی اداء کرنے کے بجائے سرکاری خرچ پر قادیانیت کی تبلیغ کرنے اور مختلف ممالک میں قادیانی جماعت کے دفاتر قائم کرنے کی مہم کا انسداد کرنے کے لئے قادیانی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خاں کی وزارت سے علیحدگی اس کا مقصود تھا۔

مسلم لیگی حکمرانوں نے مطالبات تسلیم کرنے کے بجائے ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ کی خاطر تحریک میں حصہ لینے والوں کے سینے گولیوں سے چھلنی کر دیئے، چوک دالگراں اور چوک دہلی دروازہ لاہور، چوک بازار ملتان مسجد پھول ہٹ اور مسجد ولی محمد اور سیالکوٹ، لائل پور (فیصل آباد) وغیرہ کئی شہروں میں ناموس رسالت ﷺ کے محافظوں کو خاک اور خون میں تڑپا دیا گیا تھا۔

کئی لاکھ فرزندان اسلام اور عشاق رسول ﷺ پس دیوار زنداں کر دیئے گئے تھے، جیل خانوں کے احاطے قیدیوں سے بھر گئے تو خاردار تاریں بچھا کر قید خانے بنائے گئے اور ان میں عقیدہ ختم نبوت کی بابت اپنا ایمان ظاہر کرنے والوں اور حضور خاتم الانبیاء ﷺ کی ذات اقدس کو اللہ کا آخری نبی و رسول ﷺ تسلیم کرنے والے پابند سلاسل کر دیئے گئے تھے۔

یہ تحریک کسی ایک دینی یا سیاسی جماعت کی جانب سے نہ تھی بلکہ تمام مکاتب فکر، دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث، اور مشائخ حضرات کے نمائندوں پر مشتمل ایک مجلسِ عمل کی تحریک تھی، البتہ مجلسِ احرار اسلام اس تحریک کی داعی جماعت تھی اور اسی کی کوششوں سے یہ مجلسِ عمل معرضِ وجود میں آئی تھی۔

مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد قادری خطیب مسجد وزیر خاں لاہور اس مجلس عمل کے سربراہ تھے، تحریک تحفظِ ختمِ نبوت کی مجلس عمل کی جانب سے ۲۸ فروری ۱۹۵۳ء مطالبات تسلیم کرنے کے لئے حکومت کو آخری تاریخ کا نوٹس دیا گیا تھا۔ حکومت نے مطالبات تسلیم کرنے یا اس سلسلے میں مذاکرات کرنے کے بجائے ۲۸ فروری کو مجلس عملی کے تمام قائدین کو کراچی میں گرفتار کر لیا، ان میں صدر مجلس عمل مولانا ابو الحسنات، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا عبد الحامد بدایونی صدر جمیعت علماء پاکستان، ماسٹر تاج الدین انصاری صدر مجلس احرار اسلام پاکستان، صاحبزادہ سید فیض الحسن سجادہ نشین آلو مہار شریف، مرکزی مبلغ ختم نبوت مولانا لال حسین اختر، اور سید مظفر علی شمسی جنرل سیکرٹیری تحفظِ حقوقِ شیعہ پاکستان اور دیگر شخصیات شامل تھیں۔

اسی تاریخ کو رات گیارہ بجے تحریک تحفظ ختم نبوت کے ترجمان روزنامہ آزاد لاہور اور اس تحریک کی

تائید و حمایت کرنے کی پاداش میں مولانا ظفر علی خاں کی زیرادارت موقر روزنامہ زمیندار لاہور کی اشاعت ایک ایک سال کے لئے حکومت پنجاب نے ممنوع قرار دیدی تھی۔ اور روزنامہ آزاد کا ایڈیٹر ہونے کے جرم میں راقم الحروف کو گرفتار کر کے جیل خانے میں نظر بند کر دیا تھا۔

مجھے ایک ماہ مظفر گڑھ جیل میں رکھا گیا، سالار معراج الدین سالار جیوش احرار اسلام پاکستان میرے رفیق جیل خانہ تھے ایک ماہ بعد انہیں ڈیرہ غازی اور مجھے لاہور سنٹرل جیل میں منتقل کر دیا گیا اور وہاں کے سیاست خانے کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں محبوس کیا گیا تھا۔ میرے ساتھ کی کوٹھڑی میں مولانا محمد اسمٰعیل سلفی ناظم اعلیٰ جمیعت اہلحدیث پاکستان اور مولانا غلام محمد ترنم خطیب جامع مسجد سول سیکرٹریٹ حکومت پنجاب لاہور مظفر گڑھ کے حکیم نور محمد اور سٹی مسلم لیگ کے رہنما مظفر علی حصاروی اور دیگر حضرات پابند کر دیئے گئے تھے۔ یاد رہے کہ سیاست خانے میں ہمیں مرزائی آئی جی جیل خانہ جات کرنل بشیر جمیل کے حکم سے رکھا گیا تھا۔ میری کوٹھڑی کے مقابل "شوکت ڈاکو" قید تھا۔ اسے روزانہ مار مار کر ادھ موا کیا جاتا تھا۔ وہ کیوں ڈاکو بنا؟ (اسکی تفاصیل پھر بیان ہونگی انشاء اللہ)

بہر نوع ایک ماہ بعد سیاست خانے سے بم کیس وارڈ میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ وارڈ تحریک آزادی کے مشہور رہنماؤں بھگت سنگھ اور دت کی یاد میں متحدہ پنجاب کے وزیر بھیم سین سچر نے تعمیر کرایا تھا۔ جنہیں اسمبلی ہال میں بم پھینکنے کے الزام میں گرفتار کر کے اس جگہ رکھا گیا تھا۔ اس وارڈ میں پاکستان کی عظیم شخصیات موجود تھیں، جن میں شیخ التفسیر مولانا احمد علی امیر انجمن خدام الدین لاہور، نامور مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی نائب امیر جماعت اسلامی، میاں محمد طفیل قیم جماعت اسلامی، نعیم صدیقی ایڈیٹر ترجمان القرآن لاہور اور مولانا کوثر نیازی (جماعت اسلامی) کے اسماء گرامی خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ حضرت شیخ لاہوری کے ساتھ راقم الحروف کو جیل میں رفاقت اور اکتسابِ فیض کا شرف حاصل ہوا، ہفت روزہ خدام الدین کے اجراء کا فیصلہ بھی اسی دوران جیل خانے میں ہوا تھا۔

حضرت شیخ لاہوری کی صحت طبعی عمر کے تقاضے کے علاوہ ملتان جیل میں حکومت کے کارندوں کی معرفت مبینہ "زہر خورانی" سے بھی نہایت خراب تھی مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے بھی رہائی کے بعد اس سازش کا ذکر کیا تھا کہ حضرت کے ساتھ مجھے بھی "زہر" سے ختم کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ مگر مارنے والے سے بچانے والی ذات قوی تر ہے۔

بہر نوع حضرت شیخ لاہوری کی بابت ان کے "مبینہ" مرید ملک فیروز خاں نون وزیر اعلیٰ پنجاب کو ان کی خرابیٔ صحت اور سخت علالت کا پتہ چلا تو ان کی رہائی کے فوری طور پر احکام جاری کر دیئے گئے تھے۔

بعد ازاں شیخ حسام الدین جنرل سکرٹری مجلس احرار اسلام پاکستان کو گرفتار کر کے جب لاہور سنٹرل

جیل میں لایا گیا تو انھوں نے جیل کے عملے سے تحریک کے قیدیوں کی بابت معلومات حاصل کیں کہ کون کس وارڈ میں محبوس ہے۔

اسیران تحریک کی خاصی تعداد چونکہ بم کیس وارڈ میں موجود تھی ان میں سے جب میرا نام لیا گیا تو شیخ صاحب نے کہا کہ ہم دونوں کو جیل کے کسی وارڈ میں اکٹھا کر دیا جائے۔ چنانچہ ہمیں دیوانی احاطے میں منتقل کر دیا گیا دیوانی احاطے میں قبل ازیں سرخپوش رہنما عبد الغفار خان، فیض احمد فیض اور سید سبط حسن محبوس تھے۔

تحریک کی مقبولیت اور ہمہ گیری کے باعث گرفتار شدگان کی تعداد روز افزوں تھی جیل کے احاطے تنگ ہو گئے تھے۔ ان تینوں حضرات کو مختلف جیلوں میں منتقل کر دیا گیا۔ دیوانی احاطے میں دیوانی مقدمات کے قیدی رکھے جاتے تھے اس میں جیل کے روایتی انداز میں سلاخوں کا وجود نہ تھا بلکہ دیہات کے کھلے ماحول میں آبادی کی مانند اس کے درمیان میں کمرے تعمیر تھے اور ان کے ارد گرد کی جگہ میں روشیں بنا کر گارڈ نیا لگا دیا گیا تھا، گراؤنڈ میں سایہ دار درخت بھی موجود تھے، ہم نے دیوانی احاطے میں قدم رکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک "قد آور مرغ" ٹہل رہا ہے۔ اور کمرے کے اندر سامنے دیوار کے ساتھ انجیروں کی ایک تسبیح نما لڑی لٹک رہی تھی، ارباب جیل سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ دونوں عبد الغفار خاں کی امانت ہیں چند روز تک انہیں پہنچا دی جائیں گی۔ اُدھر حالات پنجاب کی عدالتی تحقیقات کا آغاز ہو چکا تھا تحقیقاتی کمیشن کی طرف سے مختلف جماعتوں کو اپنا اپنا موقف پیش کرنے کو کہا گیا تو اس بناء پر مختلف جیلوں میں نظر بند قائدین تحریک کو لاہور سنٹرل جیل میں منتقل کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اس پر احرار رہنما مولانا محمد علی جالندھری، مولانا محمد حیات فاتح قادیان، مولانا محمد شریف جالندھری اور ملک عبد الغفور انوری ملتان سے ہمارے احاطے میں پہنچا دیئے گئے تھے۔

تحریک کے مرکزی قائدین کراچی سنٹرل جیل سے چونکہ حیدر آباد اور سکھر کی جیلوں میں منتقل کر دیئے گئے تھے اس لئے انہیں یکجا کرنے میں غیر معمولی تاخیر سے کام لیا گیا۔ ادھر تحقیقاتی کمیشن کی جانب سے شدید تقاضا ہونے لگا کہ تحریک کے "روح رواں" اور مرکزی قائدین کی لاہور میں غیر موجودگی سے تحقیقات کا نظام متاثر ہو رہا ہے لہذا تمام رہنماؤں کو بلا تاخیر لاہور سنٹرل جیل میں منتقل کر دیا جائے۔

ان شخصیات کی تشریف آوری سے قبل ایک شب نماز عشاء کے بعد ہمارے احاطے میں ایک نیا قیدی لایا گیا۔ جیل کے افسر نے تعارف کرایا کہ یہ مشہور ادیب اور علمی شخصیت "سید سبط حسن" ہیں۔ ان کے نام سے تو متعارف تھا اور مختلف ادبی رسائل میں ان کے مضامین بھی نگاہ سے گزر چکے تھے۔ بالمشافہ ملاقات کا یہ پہلا موقع تھا۔

شیخ حسام الدین صاحب اور راقم نے ان کا بڑی گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل امتیاز حسین نقوی صاحب ان دنوں مجھ سے قرآن کریم مع ترجمہ پڑھ رہے تھے، انہوں نے خصوصی

اختیارات اور احترام استاد کے تحت ہمیں چارپائیاں فراہم کردی تھیں، سبط حسن صاحب چونکہ عشاء کے بعد آئے تھے ضابطے کے مطابق ان کا بستر زمین پر بچھاجانا تھا۔

میں نے سوچا یہ نامور ترقی پسند ادیب اور ممتاز علمی شخصیت ہیں آج اگر صرف یہی اکیلے زمین کے فرش پر سوئے اور ان کی موجودگی میں ہم چارپائیوں پر محواستراحت رہے تو دینی حلقے اور علماء کے خلاف انکی نفرت میں زبردست شدت آجائے گی۔ چنانچہ میں نے اپنے مشقتی فتح دین صاحب سے کہا کہ میرا بستر تو زمین پر بچھادیا جائے اور میری چارپائی پر سبط حسن صاحب کا بستر! لیٹنے سے قبل سبط حسن صاحب کی نگاہ میرے بستر پر پڑی تو دریافت کیا کہ آپ یہاں تپتی زمین پر اکیلے کیوں لیٹے ہیں؟ یہ تو مناسب نہیں ہے۔ میں نے کہا۔ میری کمر میں کچھ تکلیف رہتی ہے اس لئے زمین پر لیٹنے میں سکون ملتا ہے۔

میری اس توجیہہ سے وہ پورے مطمئن نظر نہ آتے تھے۔ "اچھا جی"...... کہا اور اپنے بستر پر دراز ہو گئے۔!

صبح کو سبط صاحب نے مجھے بتایا کہ اس مشقتی نے مجھے آپ کے زمین پر لیٹنے اور مجھے چارپائی عطا کرنے کی ساری تفصیلات بتادی ہیں۔ آپ کے اس اخلاق و محبت سے میں بہت متاثر ہوا ہوں، میں جذبات تشکر نوک زباں پر لاکر اسکی خوشبو فضا میں تحلیل کرنا نہیں چاہتا۔

بہر نوع۔ یہ طرزِ عمل اور معمولی اخلاقی مظاہرہ سبط حسن کے ساتھ گہرے روابط کا موجب بن گیا۔ اسی اثناء میں مشہور لیگی رہنماء عطاء اللہ جہانیاں بھی مسٹر ممتاز دولتانہ وزیر اعلیٰ پنجاب کی مخالفت کی پاداش میں گرفتار ہو کر ہمارے ہی دیوانی احاطے میں لائے گئے۔ چند روز بعد ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل نے خوشخبری سنائی کہ سکھر جیل سے مرکزی قائدین آج لاہور جیل کے اسی احاطے میں لائے جارہے ہیں۔ ۲۵ جولائی ۱۹۵۳ء کو ۱۱ بجے صبح امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صدر مجلس عمل، اور سید مظفر علی شمسی سکھر جیل سے اور ۲۷ جولائی کو ماسٹر تاج الدین انصاری صدر مجلس احرار اسلام پاکستان، مولانا عبدالحامد بدایونی صدر جمیعت علماء پاکستان اور صاحبزادہ سید فیض الحسن سجادہ نشین آلومہار شریف حیدر آباد جیل سے یہاں تشریف لائے۔

لاہور سنٹرل جیل میں ان عظیم المرتبہ اور جلیل القدر شخصیات کا اجتماع تاریخی نوعیت کا تھا۔ مختلف مکاتب فکر کے دینی اور ملی رہنماؤں کی اتنی بڑی تعداد کو شاید ہی قبل ازیں یکجا ہو کر پیش آمدہ مسائل پر اجتماعی فکر و تدبر کا موقع ملا ہو۔ سبط حسن صاحب کو تحریک سے اگرچہ کوئی دلچسپی نہ تھی مگر ہماری شب وروز کی مصروفیات، باجماعت نمازوں کی یکجا ادائیگی (کیونکہ باہر تو باجماعت نمازیں مکاتب فکر کی اساس پر الگ الگ آئمہ کی اقتداء میں اداء ہوتی ہیں) اور مسئلہ ختم نبوت کی بابت یگانگتِ فکر اور باہم دگر احترامِ عظمت، محبت واخوت کے ساتھ میل ملاقات وغیرہ سے وہ بہت متاثر ہوئے تھے۔

باجماعت نمازوں کے حوالے سے اس حقیقت کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تحریک تحفظ ختم نبوت کے یہ مرکزی قائدین جب دیوانی احاطے میں تشریف لائے تھے تو حضرت شاہ جی نے امامت کے لئے

مولانا ابوالحسنات کا بازو پکڑ کر یہ کہتے ہوئے مصلے پر کھڑا کر دیا، بڑے میاں! یہ فریضہ مستقل طور پر آپ انجام دیں گے۔

مولانا ابوالحسنات نے مقتدیوں کی جانب ایک نگاہ ڈالی۔ میں ان کے سامنے کھڑا تھا۔ انہوں نے میرا بازو پکڑا اور اپنی جگہ مصلے پر کھڑا کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ خدمت مستقل طور سے آپ انجام دیں گے۔ چنانچہ ان بزرگوں کی موجودگی میں امامت کا شرف مجھے حاصل ہوا۔ اور جب تک لاہور سنٹرل جیل میں رہا فقیر اس سعادت سے سرفراز رہا۔

مقتدیوں میں مندرجہ بالا مرکزی قائدین کے ساتھ مولانا محمد علی جالندھری، مولانا لال حسین اختر، مولانا محمد حیات فاتح قادیان۔ مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری جنرل سیکرٹری تنظیم اہلسنت والجماعت پاکستان، ملک عبدالغفور انوری، مولانا محمد شریف جالندھری، سائیں محمد حیات پسروری اور دیگر شخصیات دوش بدوش تھیں۔ تعصب یا کشمکش کا کوئی تصور بھی موجود نہ تھا۔ دیوبندی مکتب فکر کے امام کے پیچھے سب متحد و متفق تھے۔

غرضیکہ اس مجلس زندانیاں اور محفل روحانیاں میں سبط حسن خوب گھل مل گئے تھے۔ ہمارے روابط میں گہرائی اور گیرائی کا اضافہ ہو رہا تھا ایک روز نقوی صاحب کو مجھ سے ترجمہ قرآن کریم پڑھتے دیکھ کر کہنے لگے مجاہد صاحب! علماء اور دینی پیشواؤں کی بابت قبل ازیں میری رائے کوئی اچھی نہ تھی۔ مگر آپ کے ان بزرگوں کی زیارت کر کے اور آپ حضرات کو بہت قریب سے دیکھ کر میری رائے یکسر تبدیل ہو گئی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ میں بھی آپ سے عربی زبان سیکھنے کے لئے آپ کی شاگردی اختیار کر لوں۔

میں نے کہا اس سے بڑی سعادت کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

چنانچہ انہوں نے مجھ سے عربی اور میں نے ان سے انگریزی پڑھنا شروع کر دی۔ رات کو عشاء کے بعد اور صبح کی سیر کے وقت ہم دونوں جیل کے احاطے میں چہل قدمی کرتے وقت باہم دگر عربی اور انگریزی میں ہی گفتگو کیا کرتے تھے، سبط حسن نے چند ماہ کے اندر عربی زبان پر خاصا عبور حاصل کر لیا تھا۔

دلچسپیاں:

جیل خانے کی تنگ و تاریک فضا اور گھٹے گھٹے ماحول میں دلچسپی پیدا کرنا بھی خاصا کٹھن مرحلہ ہوتا ہے۔ رفقاء زنداں غصیلے، تند خو، اور سڑیل مزاج ہوں تو دلچسپ گفتگو اور ہنسی مزاح کی بات بھی ناگواری طبع کا باعث ہوتی ہے۔ اللہ کا شکر کہ ہمارے احاطے میں بزرگوں سے لے کر خوردوں تک سبھی خوش مزاج اور کھلے دل و دماغ کی شخصیات موجود تھیں، ہر ایک کا ظرف وسیع، اپنا اپنا ذوق اور اپنی اپنی دلچسپیاں تھیں،

سبط حسن اور راقم الحروف دونوں پھولوں کی کیاریاں بنانے اور سینچنے سجانے میں لگے رہتے، شیخ حسام الدین نے پھولوں کی کیاری کے ساتھ آم کی گٹھلیاں کاشت کیں تو میں نے ازراہ تفنن طبع عرض کیا شیخ صاحب! لگتا ہے آپ جیل خانے میں طویل مدت تک ٹھہرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جبھی تو آپ نے یہ

"ہزار سالہ" منصوبہ شروع کیا ہے۔ میرا یہ جملہ سن کر محفل زندانیاں زعفران زار بن گئی۔

شام کے وقت دوسری بارکوں اور جیل کے دیگر احاطوں کے نظر بند بھی ارباب جیل کی اجازت سے بغرض ملاقات آسکتے تھے۔ ایک شخصیت ہمارے احاطے میں جب بھی قدم رنجہ فرماتی۔ تو "رہائی" انکا موضوع سخن ہوتا تھا، آج فلاں صاحب کی رہائی آ گئی ہے، کل فلاں صاحب جا رہے ہیں۔ اور ان شاء اللہ ایک روز ہماری "رہائی" کی باری بھی آجائے گی۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ جیل خانے کے اوپر سے شہری ہوا بازی کا چھوٹا سا طیارہ نیچی پرواز سے گزرا۔ تو اس شخصیت نے حیرت ناک لہجے میں پوچھا!

مجاہد صاحب! دیکھا آپ نے یہ جہاز کس قدر نیچی پرواز سے گزرا ہے۔ ضرور کوئی خاص بات ہے۔

میں نے کہا ہاں دراصل حکومت کے کارندے اس میں سوار ہو کر جیل میں ہونے والی ہماری گفتگو سننے آتے ہیں۔ اور یہ دیکھتے ہیں کہ جیل کے اندر اب ہماری سرگرمیاں کیا ہیں؟ کیونکہ رہائی کے احکام ہمارے طرز عمل کی بنیاد پر ہی صادر ہونگے۔ اسکی یہ رپورٹ تیار کرتے ہیں۔

بس آپ مطمئن رہیئے۔ بہت جلد آپ کی رہائی کے احکام بھی صادر ہو جائیں گے۔ کیونکہ سال گزر جانے کے بعد اب کس بناء پر حکومت ہماری نظر بندی میں توسیع کرے گی؟

میں نے انہیں پوری متانت اور سنجیدگی کے ساتھ یہ جواب دیا۔ سبط حسن صاحب ہنسی ضبط نہ کر سکے تو لوٹ پوٹ اپنے کمرے میں چلے گئے۔

اتنے میں "وہ صاحب" اپنے وارڈ کی جانب واپس چلے گئے تو سبط صاحب نے کمرے سے باہر آ کر پوچھا یہ کون صاحب تھے؟

میں نے انکا تعارف کراتے ہوئے مزاحاً کہا یہ صاحب! محکمہ تعلقاتِ عامہ کے ڈائریکٹر ہیں اور ہمیں جیل سے رہائی کی بشارتیں۔ اور تسلیاں دینے عموماً تشریف لاتے رہتے ہیں۔ سبط حسن نے میری اس توجیہ پر زور دار قہقہہ لگاتے ہوئے کہا یہ تعلقات عامہ اور بشارتوں کی اصطلاح بھی خوب رہی بہر نوع۔ جیل کے دن اور جیل کی راتیں ہم نے ہنسی خوشی، اور خوش مزاجی کے ساتھ بسر کی تھیں، اور بزرگ و خورد سب حضرات خوب سے خوب تر تھے۔

نیز یہ بشارت بھی مسرت افزا ہو گی کہ جیل خانے میں ہماری بیڈمنٹن اور والی بال کی ٹیم بھی موجود تھی۔ اور جماعت اسلامی کے رہنماؤں اور کارکنوں پر مشتمل بم کیس وارڈ کی ٹیم کے ساتھ بروز جمعہ ہمارا میچ ہوتا تھا۔ نتیجتہً جماعت اسلامی کو اسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا تھا جو باہر سیاسی میدان اور الیکشن کے نتائج کی صورت میں اسے درپیش ہوتی ہے۔

جیل خانے کے لطائف و ظرائف کی بات چھڑی ہے تو ایک دلچسپ بات اور بھی سن لیجئے۔!

جماعت اسلامی کے بانی امیر سید ابو الاعلیٰ مودودی اور جمعیت علماء پاکستان کے رہنما مولانا عبدالستار خاں نیازی کو مارشل لاء کے تحت پہلے پھانسی کی سزائیں سنائی گئی تھیں جو بعد ازاں ۱۴-۱۴ سال قید بامشقت میں

تبدیل ہو گئی تھیں۔ جیل خانے کے اندر قید محض گزارنا مشکل اور قید بامشقت اچھی رہتی ہے۔ مولانا مودودی کو یہ مشقت دی گئی تھی کہ روزانہ الجھے ہوئے ٹیگ (کاغذ باندھنے کے دھاگے) کی گتھیاں سلجھا کر صاف کر کے الگ الگ باندھ دیا کریں۔ اور مولانا عبدالستار خاں نیازی کو چرخہ کاتنے کی مشقت دی گئی تھی۔ جیل کا ایک افسر راوی ہے کہ

ہمارے سپرنٹنڈنٹ جیل شیخ اکرام صاحب انگلستان کے دورے سے حال ہی میں آئے تھے، انگریز حکمرانوں کے طور طریقے اور ان کے لب و لہجے کی جھلک ان میں رچ بس گئی تھی۔ آتے ہی جیل خانے کا معائنہ کیا۔ اس دوران مولانا مودودی صاحب کے وارڈ میں چلے گئے، مولانا کے ساتھ تو نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ پیش آئے۔ البتہ مولانا عبدالستار خاں نیازی کے ساتھ ان کی گفتگو کا انداز فرنگیوں جیسا تھا۔ مولانا نیازی چرخہ کاتنے کی مشقت فرما رہے تھے روئی کی اٹیا پکڑتے اور موٹا سا سوت کات کر بے ہنگم سے دھاگے کا ڈھیر لگا دیتے تھے۔

شیخ صاحب۔! (صاحبوں کے لہجے میں) نیازی صاحب۔ دیکھیے آپ موٹا سوت کات رہے ہیں۔!

مولانا عبدالستار خاں نیازی نے اپنے روائتی پائدار لہجے میں جواب دیا ہاں شیخ صاحب..... تاکہ تمہاری سمجھ میں آجائے۔

جیل سے رہائی

بہر نوع سال گزرنے پر حکومت نے اندازہ لگا لیا کہ باہر تحریک کا زور ختم ہو گیا ہے۔ اور حالات پنجاب کا تحقیقاتی کمشن اپنا کام کر رہا ہے۔ تو سیفٹی قوانین کے تحت نظر بندوں کی مدت میں توسیع کے بجائے رہائی کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔

حسب ترتیب میری نظر بندی کی مدت بھی ختم ہو گئی تو ارباب جیل نے صبح ناشتے کے وقت اطلاع دی کہ آپ کی رہائی کے احکام بھی آ گئے ہیں۔ میں نے اسے مذاق سمجھا۔ اور اپنے معمولات میں لگ گیا۔

اتنے میں ڈیوڑھی سے پھر طلبی ہوئی کہ جلدی کرو۔ ہم نے جیل کا سب اچھا کہنا ہے (اس کا مطلب یہ ہے کہ رہا ہونے والے کو احاطہ جیل سے باہر کر کے قیدیوں کی گنتی پوری ہونے پر سب اچھا کا اعلان کیا جاتا ہے) چنانچہ سامان سمیٹا بزرگوں اور رفقاء زنداں سے علیک سلیک اور دعاؤں کے ساتھ جیل خانے سے باہر آ گیا اور

چھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا

قیام پاکستان کے بعد چونکہ مظفر گڑھ میں رہائش تھی۔ گھر گیا۔ اور چند روز کے بعد ہی واپس لاہور آ کر حضرت شاہ جی اور سبط حسن صاحب کی خدمت میں کچھ چیزیں جیل خانے میں بھجوائیں۔ وصول کر کے سبط حسن صاحب نے لکھا

"المنجد اور میٹھی روٹیاں ملیں، ایک نے دیدہ و عقل کو روشن کیا تو دوسرے نے کام و دہن کو لذت -

بخشی! بھائی آپ کا اور آپ کی پر خلوص محبتوں کا شکریہ اداء کرنے کے لئے الفاظ کہاں سے لاؤں، صبح چار بجے اٹھتا ہوں، چائے کے ساتھ میٹھی روٹیاں خوب مزہ دیتی ہیں، کھاتا ہوں اور بھائی کو دعائیں دیتا ہوں۔ پھر عربی پڑھتا ہوں اور المنجد کی ورق گردانی کرتا ہوں، میٹھی روٹیوں کے بارے میں شاہ صاحب کا فرمانا ہے کہ ان کے مقابلے میں تو محکم دین لاہور کے بسکٹ گوبر کے اوپلے معلوم ہوتے ہیں۔

امید ہے آپ یونہی دولت کی زکواۃ نکالتے رہیں گے۔" (اقتباس)

سبط حسن صاحب کے ساتھ سلسلہ خط و کتابت جاری رہا، ان کے مکتوبات علم و ادب کا شاہکار اور گرانقدر ادبی سرمایہ ہے۔ان شاءاللہ پھر کسی وقت ان کی اشاعت کا اہتمام ہو گا۔

بہر نوع۔ سبط حسن صاحب بھی رہا ہو گئے اور پروگریسو پیپرز لمیٹڈ کی مطبوعات پاکستان ٹائمز اور امروز کے دوش بدوش ایک منفرد معیار کے ساتھ شائع ہونے والے ہفت روزہ لیل و نہار لاہور کے ایڈیٹر مقرر ہو گئے تھے۔ تحریک تحفظ ختم نبوت کا ترجمان مجلس احرار کا روزنامہ آزاد لاہور چونکہ سال بھر کے لئے جبراً بند کیا گیا تھا اسکی تجدید ڈیکلریشن کے لئے کسی طور پر بھی حکومت آمادہ نہ ہو سکی۔

اندریں حالات میں نے لاہور سے "ساربان" کے نام سے ہفت روزہ شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ کئی ماہ کی صبر آزما کوشش کے بعد ڈیکلریشن مل گیا۔ تو اس کے پہلے شمارے کے لئے میں نے سبط حسن صاحب سے کچھ لکھنے کی فرمائش کی۔ جس پر انہوں نے ایک فکر انگیز مختصر مضمون تحریر کر کے عنایت فرمایا۔ جو "ساربان" کے شمارہ اول اگست ۱۹۵۸ء میں پرانی قدریں کے زیر عنوان شائع ہوا تھا۔ ملاحظہ فرمائیے۔

پرانی قدریں

میرے دیرینہ کرم فرما اور استاد جناب مجاہد الحسینی صاحب "ساربان" کے نام سے ایک ہفت روزہ جاری کر رہے ہیں۔ استاد محترم نے مجھے حکم دیا ہے کہ ساربان کی پہلی اشاعت کے لئے میں بھی کچھ لکھوں۔ میں پرانی وضع کا آدمی ہوں۔ اس لئے استاد کی حکم عدولی کو معیوب سمجھتا ہوں استادی شاگردی کا رشتہ اگر اس کا احترام کیا جائے تو ہوتا بڑا پیارا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آج کل نہ استادوں میں وہ پرانی شفقت اور محبت باقی رہی ہے۔ اور نہ شاگردوں میں استاد کے احترام کا احساس رہ گیا ہے، نہ استاد کو شاگرد سے ہمدردی ہوتی ہے نہ شاگرد استاد کی باتوں پر کان دھرتے۔ مگر میں تو پرانی وضع کا شاگرد اور میرے استاد بھی خوش قسمتی سے پرانی قدروں ہی کے پرستار ہیں!

ہماری شاگردی استادی کا قصہ بھی نہایت دلچسپ ہے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب سکیورٹی آف پاکستان ایکٹ کے تحت نظر بندی کے دن لاہور جیل میں گذار رہا تھا۔ دفعتاً سارے ملک میں ایک ہلچل مچ گئی۔

میں ان دنوں منٹگمری جیل میں تھا۔ اخبار پڑھتا تو ذہن کی عجیب کیفیت ہوتی۔ پھر نعروں سے جیل کی دیواریں ہلنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے جیل کی ہیبت ناک اور سنسان فضا میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے۔ آس پاس کے دیہات اور قصبوں سے لوگ ہزاروں کی تعداد میں نظر بند ہو کر آنے لگے۔ ان میں سفید ریش بزرگ بھی تھے۔ جوانی کے نشوں میں سرشار سورما بھی، اور خوردسال لڑکے بھی۔ ان کی اکثریت زراعت پیشہ تھی سیدھے سادے لوگ، بھولے بھالے لوگ، نہ سیاست کی شطرنجی چالوں سے واقف، نہ رموز مملکت سے آگاہ، ان کو تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کس جرم کی سزا میں اندر لائے گئے ہیں، ان میں سے شاید ہی کسی نے جیل کی زندگی گزاری ہو۔ پھر وزارتیں ٹوٹنے لگیں اور مارشل لاء کی مسموم ہوائیں چلنے لگیں اور فضا تاریک سے تاریک تر ہوتی گئی، ملک میں قادیانیت کے خلاف تحریک چل رہی تھی۔ (تحریک تحفظ ختم نبوت)

اسی درمیان میں مجھے منٹگمری جیل سے لاہور جیل منتقل کر دیا گیا یہاں چھ مہینے ایسے گذرے جن کی یاد مجھے برابر تڑپاتی رہتی ہے۔ حسنِ اتفاق دیکھیئے کہ پاکستان کے چوٹی کے عالموں کو اسی بارک میں لایا گیا جہاں میں مقیم تھا۔ مولانا ابوالحسنات، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا محمد علی جالندھری وغیرہ اس محفل روحانیاں میں مجھ جیسے گنہگار کی رسائی میرے لئے فیض و برکت کا پیغام لے کر آئی۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کے کارناموں سے تو میں مدت سے واقف تھا۔ لیکن ان کی خدمت میں نیاز جیل ہی میں حاصل ہوا، اور پہلی ملاقات کے بعد ہی یوں محسوس ہوا گویا اپنے کسی عزیز ترین بزرگ کے سایہ عاطفت میں پناہ ملی ہے۔ یوں تو سبھی اس شمع محفل کے پروانے تھے، لیکن میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان مولوی صاحب کو ان سے بڑی عقیدت و وابستگی ہے، اور شاہ صاحب بھی ان کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔ یہ نوجوان اتنا خوش مزاج اور نیک طبع تھا کہ رقابت کے بجائے اسے محبت کرنے کو جی چاہا اور رفتہ رفتہ ہم دوست ہو گئے، اسکا نام مجاہد الحسینی تھا۔ مگر شاہ صاحب اسے یوسف کہہ کر پکارتے تھے۔ (۱)

یہاں مجاہد الحسینی صاحب میرے استاد بنے۔ اور چھ مہینے کے اندر انہوں نے مجھے اتنی عربی پڑھا دی کہ میں قرآن شریف کی عبارت کو بلا ترجمے کے آسانی سے سمجھنے کے قابل ہو گیا۔ یوں تو ہر استاد خواہ وہ سخت گیر ہو یا نرم دل، لائق احترام ہوتا ہے لیکن ایسا مشفق استاد جس نے جیل کے اندر عربی زبان سکھائی ہو مجھے کتنا عزیز ہو گا۔ اس کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں۔ یہ چند سطریں دراصل اعتراف محبت اور اظہار عقیدت کے طور پر لکھ رہا ہوں ورنہ اپنی مصروفیتوں کے باعث نہ میرے پاس مضمون لکھنے کے لئے وقت ہے۔ اور نہ مولانا مجاہد الحسینی کو ساربان کے صفحات خراب کرنے کی ضرورت۔

میری دعاء ہے کہ ساربان اپنے مقاصد میں کامیاب ہو اور قوم کے گم کردہ راہ کارواں کو ترقی اور آزادی کی منزل کی طرف رہبری کرنے کا فرض خوش اسلوبی سے ادا کرے۔ (سبط حسن ۱۴ اگست ۱۹۵۸ء)

ایک دوسرا خط ملاحظہ فرمائیے۔ جس میں حضرت امیر شریعت کی علالت کا سن کر ان کی صحتیابی کے لئے دعا

---

(۱) اصل نام محمد یوسف اور قلمی نام مجاہد الحسینی ہے۔

کی اور حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں خط بھی ارسال کیا تھا۔

بتوسط۔ نواب زادہ امتیاز علی خاں

۴۹ لارنس روڈ لاہور

استاد محترم سلام شوق

نوازش نامہ ملا۔ میں نے کیمبل پور کی جیل سے آپ کو کئی خط لکھے لیکن غالباً مصروفیت کے سبب سے آپ نے جواب ہی نہ دیا۔ اب صورت یہ ہے کہ جب تک فیڈرل کورٹ فیصلہ نہیں کرتی زندگی یونہی اعراف میں گزرے گی۔ دو ٹوک فیصلہ ہو جائے اور انشاء اللہ ہمارے حق میں ہو گا۔ تو پھر کچھ سوچا جائے۔ اب کے میرا حتمی ارادہ کھیتی باڑی کا ہے چنانچہ اس کوشش میں ہوں کہ کہیں تھوڑی سی زمین الاٹ ہو جائے۔ تھل میں سہی۔ تو پھر ایک جھونپڑی بنا کر زراعت شروع کروں۔ کل شیخ صاحب(۱) سے ملنے گیا تھا مگر لیڈر لوگ گھر پر کب ملتے ہیں خط چھوڑ آیا۔ پھر کسی دن جاؤں گا۔ سنا ہے شاہ صاحب قبلہ علیل ہیں۔ خدا انہیں جلد صحت دے۔ ان کا پورا پتہ معلوم نہیں پھر بھی ملتان کے پتہ پر خط لکھ رہا ہوں۔ غالباً مل جائے گا۔ آپ ملیں یا خط لکھیں تو میرا بہت بہت آداب کہیئے گا۔ آپ لاہور آنے کا ارادہ تو نہیں رکھتے۔ میں رہائی کے دوسرے دن ہی بیمار ہو گیا۔ یہی نزلہ زکام بخار! مگر اب بالکل اچھا ہوں۔ پرسوں یہاں بارش ہوئی جس نے موسم کو نہایت خوشگوار بنا دیا ہے۔ سردی کم ہو گئی ہے اور دھوپ نکلی ہوئی ہے۔ کیمبل پور میں تو قیامت کی سردی پڑتی تھی۔ مفصل خط پھر لکھوں گا۔

آپ کا سبط حسن ۲۲ جنوری ۱۹۵۴ء

امیر شریعت کی دفتر سبط حسن میں تشریف آوری:

چند سال بعد لیل و نہار بند ہو گیا۔ سبط حسن صاحب تصنیف و تالیف کے کام میں انہماک کی وجہ سے بیمار پڑ گئے تھے۔ ان دنوں میں وہ میکلوڈ روڈ پر واقع علامہ اقبال اکیڈمی کی گلی میں کمیونسٹ پارٹی کے دفتر میں مقیم تھے۔

مجھے ان کی سخت بیماری کی خبر ملی تو حضرت شاہ جی کی خدمت میں اسکا تذکرہ کیا۔ شاہ جی ان دنوں حاجی دین محمد صاحب کے کارخانے واقع بادامی باغ لاہور میں ٹھہرے ہوئے تھے شاہ جی نے سبط حسن کی بیماری کا سن کر فرمایا۔

اسکی عیادت کو جانا چاہیئے۔ وہ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟ میں نے رہائش گاہ کی معلومات فراہم

(۱) شیخ حسام الدین رحمہ اللہ (جنرل سیکرٹیری مجلس احرار اسلام پاکستان)

کیں۔ تو شاہ جی نے توقف کے بعد فرمایا۔ تیمارداری مسنون ہے۔ ہمارا اخلاقی فرض بھی ہے کہ اپنے جیل کے اچھے ساتھی کی عیادت کریں!۔

چنانچہ شاہ جی! حاجی دین محمد کے بڑے لڑکے حاجی محمد احمد کی کار میں میکلوڈ روڈ اس بلڈنگ میں پہنچ گئے۔!

بلڈنگ کی پہلی منزل میں روزنامہ کوہستان لاہور کا دفتر تھا، اخبار کے عملے نے شاہ جی کو دیکھتے ہی چیف ایڈیٹر جناب نسیم حجازی کو مطلع کیا، اناً فاناً سارا عملہ شاہ جی کےلئے سراپا استقبال تھا۔ نسیم صاحب نے سمجھا شاید شاہ جی کوہستان کا دفتر دیکھنے اور ان سے ملاقات کو تشریف لائے ہیں

اتنے میں شاہ جی نے میری جانب دیکھا تو میں نے اوپر کے حصے میں جانے کا اشارہ کیا۔

کوہستان کے ایک رکن ادارہ نے کہا۔ کہ اوپر تو کمیونسٹ پارٹی کا دفتر ہے شاہ جی نے فرمایا۔ مجھے مکان سے نہیں مکین سے غرض ہے۔ اور میرا تو یہ دینی فریضہ ہے کہ

علیٰ حفرة من النار

جہنم کے کنارے پر بھی کوئی کھڑا ہو گا تو اسے بچانے کی کوشش کروں۔

چنانچہ حضرت شاہ جی اوپر دفتر میں تشریف لے گئے۔ کوہستان کے عملے کے بعض اہم ارکان بھی ہمراہ تھے۔ سبط حسن صاحب بیماری سے نڈھال بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ شاہ جی کو دیکھتے ہی چارپائی سے اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ والہانہ انداز میں شاہ جی سے جھک کر سلام کیا۔ اور گلو گیر لہجے میں کہا شاہ جی! بڑی شفقت فرمائی آپ نے۔ نہایت مہربانی، آپ کی کرم فرمائی کا بے حد ممنون ہوں۔

پھر میری جانب متوجہ ہو کر سبط حسن صاحب نے کہا

آپ نے خواہ مخواہ شاہ جی کو زحمت دی، مجھے شرمندہ کیا۔ مجھے حکم دیا ہوتا کسی حالت میں شاہ جی کا نیاز حاصل کرنے حاضر ہوتا۔ اور سبط حسن کی آنکھوں میں عقیدت و احترام، اور محبت کے آنسو تیر گئے تھے۔

رہائشی الاٹمنٹ کی پیشکش

میاں افتخار الدین تحریک آزادی کے ممتاز رہنما اور شاہ صاحب کے حلقہ احباب و ارادت میں سے تھے وہ پاکستان کی مرکزی وزارت بحالیات پر فائز ہوئے تو ایک روز شاہ صاحب سے ملاقات کے لئے تشریف لائے، مخدوم سجاد حسین قریشی (سابق گورنر پنجاب) سید علمدار حسین گیلانی، میاں محمد شفیع ناظم بلدیہ ملتان اور دوسرے رہنما ہمراہ تھے۔ شاہ صاحب کچہری روڈ محلہ ٹبی شیر خاں ملتان میں واقع ایک کرائے کے مکان میں رہائش پذیر تھے۔ یہ مکان تنگ گلی میں واقع تھا دروازے تک پہنچنے کا راستہ کچا تھا اور اینٹوں پر قدم رکھ کر پہنچا جا سکتا تھا۔ کسی لڑکے نے آ کر اطلاع دی کہ ایک کار جھنڈی والی آئی ہے وہ آپ (شاہ صاحب) کا نام لے رہے ہیں۔ شاہ صاحب نے مجھے فرمایا دیکھو! کوئی وزیر آیا ہو گا۔

میں نے باہر گلی میں دیکھا تو میاں افتخار الدین مقامی عمائدین اور انتظامیہ کے ہمراہ آ رہے تھے۔ انہوں نے آتے ہی علیک سلیک کے بعد متعجب ہو کر شاہ صاحب سے کہا شاہ جی۔۔۔ آپ یہ کہاں آ کر بیٹھ گئے؟

آپ ایک درخواست لکھ دیں میں ابھی آپ کے نام کوئی بڑی کوٹھی یا اچھا وسیع مکان الاٹ کر دیتا ہوں۔

شاہ صاحب نے میاں افتخار الدین کو جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

بابو افتخار۔۔۔۔ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو میں گنہگار اور خطاکار ہوں میرا رب ستار و غفار ہے۔

میں نے زندگی میں ایک گناہ ہرگز نہیں کیا ہے اس سے میرا دامن پاک ہے۔ اور وہ یہ کہ۔۔۔۔۔ میں نے کبھی کسی حکمراں کے حضور یہ نہیں لکھا۔

"فدوی کی درخواست یہ ہے"

اگر میں نے یہی گناہ کرنا ہوتا تو پھر "انگریز بہادر" کے حضور درخواست پیش کرتا میری بے شمار وسیع و عریض کوٹھیاں ہوتیں۔ کئی مربعے زمین کا مالک ہوتا نوکر چاکر میرے ارد گرد ہوتے، کئی دربان میری چوکھٹ پر دست بستہ ایستادہ رہتے۔ اور تمہارے سمیت کوئی بدوں اجازت میرے آنگن میں جھانکنے کی جسارت نہ کر سکتا تھا۔

شاہ صاحب کا جواب سن کر میاں افتخار الدین اور ان کے ساتھی سرنگوں رہ گئے۔ برصغیر کا یہ سحر بیاں خطیب اعظم سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔۔ اپنی خطابت کا جادو اگر اپنی ذات کے لئے جگاتا تو واقعی ان سے بڑا کوئی دولت مند اور صاحب جائیداد نہ ہوتا۔ مگر وہ قناعت پسند اور اپنی خاندانی روایات کے امین تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جس خانوادے کا خون میری رگ و پے میں گردش کر رہا ہے ان کے گھر سے بھی کئی کئی روز تک دھواں نہ اٹھتا اور چولہا سرد رہتا تھا۔

یہ تو ہمارا سرمایہ افتخار اور خاندانی ورثہ ہے۔ الفقر فخری۔

غرضیکہ نہ تو شاہ صاحب نے کسی بھی حکومت سے کچھ لیا نہ اس کے سامنے دست سوال دراز کیا تھا اور نہ ہی کسی نے آپ کی عظیم دینی و ملی خدمات کے صلے میں کوئی منصب عطا کرنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔

ترے وجود کے سلئے کو پا نہیں سکتا
دروغ، صدق سے آنکھیں ملا نہیں سکتا
تو آدمی نہیں یزداں کی اک نشانی ہے
ترے بڑھاپے میں احرار کی جوانی ہے

(عبدالحمید عدم)